9

انسانی اعمال کو پاکیزہ بنانے کے دو ذرائع۔ علم اور نگرانی

(فرمودہ 5مارچ1943ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ صحابہ کے ایک حصہ کو مخاطب کر کے قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ وَ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَ اَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَ فِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۔1 یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ تم کفر سے کام لیتے ہو حالانکہ تمہارے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھی جاتی ہیں اور پھر اس کا رسول بھی تم میں موجود ہے۔

جتنی نیکی انسان میں آتی ہے وہ در حقیقت دو ہی ذریعوں سے آتی ہے۔ یا تو اس بات کی وجہ سے نیکی آتی ہے کہ انسان سمجھتا ہے جس کام کو مَیں اختیار کرتا ہوں وہ اچھا ہے، فائدہ بخش ہے۔ اس میں میری بھلائی ہے۔ اس سے دوسرے لوگوں کو آرام ہو گا۔ اس سے میرے اور خدا کے درمیان محبت بڑھے گی۔ مثلاً انسان سچ بولتا ہے تو اس لئے بولتا ہے کہ وہ سمجھتا ہے اگر مَیں نے سچ بولا تو لوگوں میں اعتبار قائم ہو گا۔ اور جب مَیں بات کروں گا تو اس امر کی ضرورت نہ ہو گی کہ مَیں کوئی گواہ لاتا پھروں۔ میری بات سن کر لوگ آپ ہی مان لیں گے۔ ان کو معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی راستباز آتا ہے اور وہ آکر کہتا ہے کہ بات یوں ہے تو بغیر شبہ اور خلش کے لوگ اس کی بات مان لیتے ہیں۔ لیکن جتنا کسی کی بات میں پیچ ہو، دغا ہو، فریب ہو وہ اگر سچی بات کہہ بھی دے اور دوسرے کو خیال بھی ہو کہ ایسا ہو سکتا ہے غالباً ایسا ہی ہو گا

تب بھی وہ کہتا ہے کیوں نہ مَیں کسی اور سے بھی پوچھ لوں۔ مگر سچ بولنے والے کا اتنا اعتبار ہوتا ہے کہ کتنی ہی غیر معمولی بات کیوں نہ ہو لوگ کہتے ہیں کہ یہ راستباز آدمی ہے۔ سچ ہی کہا ہو گا۔ لیکن اگر جھوٹا آدمی سچ بھی کہہ دے تب بھی یقین نہیں آتا۔ مثلاً اگر وہ یہ کہے کہ مَیں کھانا کھا کر آیا ہوں۔ یہ روزمرہ کی بات ہے انسان کھانا کھاتا ہی ہے مگر تب بھی لوگ ہنس پڑیں گے کہ یہ ضرور دھوکا دے رہا ہے۔ مگر سچا آدمی جس کی عمر راستبازی میں گزری ہو اگر وہ یہ کہہ دے کہ مَیں آسمان سے آیا ہوں تب بھی لوگ سمجھیں گے کہ ہم نے دیکھا ہؤا ہے کہ یہ ہمیشہ سچ بولتا ہے۔ اب بھی جو کہتا ہے ٹھیک ہو گا۔

دیکھو حضرت رسول کریم ﷺ نے جب دعویٰ فرمایا۔ جو لوگ آپ کی سچائی کے معتقد تھے وہ سنتے ہی ایمان لے آئے۔ یہ آپ کے اعتبار کا ہی نتیجہ تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کو ہدایت ہوئی۔ حضرت ابوبکرؓ کہیں باہر گئے ہوئے تھے واپس آئے تو مکہ میں داخل ہوتے وقت آپ ایک جگہ اپنے ایک دوست کے گھر میں آرام کے لئے ٹھہر گئے اور اپنی چادر اوپر کے دھڑ سے اتار کر لیٹنے کا ارادہ کیا۔ اس زمانہ میں کپڑوں کا اتنا رواج نہ تھا۔ اب تو گاؤں والے بھی دو دو، تین تین کپڑے رکھتے ہیں۔ مگر اُس وقت یہ رواج کم تھا۔ اس زمانہ میں جیسے عورتیں ساڑھی پہنتی ہیں ویسی ہی ایک چادر سے لباس کا کام لیتے تھے۔ اگر کوئی بہت زیادہ تمدن سے متاثر ہوتا تو وہ دو تین کپڑوں والا ہوتا تھا۔ یہ نہیں کہ پہلے کپڑے نہ ہوتے تھے۔ کپڑے تو تھے مگر تکلف کم تھا۔ غرض حضرت ابوبکرؓ نے چادر کا وہ حصہ جو اوپر کے دھڑ کو ڈھانپے ہؤا تھا اتار کر لیٹنا چاہا ہی تھا کہ ان کے دوست کی ایک لونڈی آئی۔ عورتوں میں بات بنا کر کرنے کا شوق زیادہ ہوتا ہے۔ وہ عجیب طریق سے بات کرتی ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ چونکہ باہر گئے ہوئے تھے کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے اپنا دعویٰ پیش کر دیا۔ لوگوں میں ایک شور پڑ گیا اور ایک آگ لگ گئی۔ اس لونڈی نے بھی یہ شور سنا۔ چونکہ اسے معلوم تھا کہ حضرت ابوبکرؓ آپؐ کے دوست ہیں اس سے برداشت نہ ہو سکا کہ خاموش رہے اور مزے لے لے کر آپ کو سنانا شروع کیا۔ ہائے ہائے، بیچارہ تیرا دوست پاگل ہو گیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا کون؟ اس نے کہا کون کیا؟ محمد اور کون؟ حضرت ابوبکرؓ لیٹ رہے تھے فوراً اٹھے، چادر کندھے پر ڈالی اور پوچھا وہ کیا کہتا ہے؟

لونڈی نے کہا وہ کہتا ہے آسمان سے مجھ پر فرشتے اترتے ہیں۔ آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔ دوست کو کہنے لگے اب مَیں آرام نہیں کر سکتا۔ فوراً مجھے جانا چاہیئے۔ یہ کہہ کر وہ وہاں سے چل پڑے۔ بغیر اپنے گھر میں ٹھہرے سیدھے آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس پہنچے۔ دروازہ پر دستک دی۔ حضرت رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم دروازہ پر تشریف لائے اور دروازہ کھولا۔ دیکھا تو ابو بکرؓ کھڑے تھے۔ آپ کو دیکھتے ہی حضرت ابو بکرؓ نے کہا۔ میں آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور خدا کے فرشتے میرے پر اترتے ہیں؟ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس خیال سے کہ ان کو ٹھوکر نہ لگے سمجھانے کی کوشش کرنی چاہی کہ نبوت کے دعویٰ سے کیا مراد ہے اور فرشتوں سے کیا مطلب ہوتا ہے۔ اور فرمایا ابو بکرؓ سنو! ساری بات یوں ہے۔ ابو بکر نے آپ کو روک کر کہا دیکھو مَیں خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں اور کوئی بات نہ بتائیں۔ صرف یہ بتائیں کہ کیا آپؐ نے کہا ہے کہ آپؐ خدا تعالیٰ کے مامور ہیں اور آپؐ پر آسمان سے فرشتے آتے ہیں؟ پھر بھی حضرت رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنے پرانے دوست کی ہمدردی کا خیال کر کے مناسب نہ سمجھا کہ مختصر جواب دیں۔ آپؐ نے فرمایا ابو بکر سنو تو سہی۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا مَیں نے آپ کو خدا کی قسم دی ہے اور کوئی بات نہ کہیں۔ صرف یہ بتائیں کیا آپؐ نے خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے اور اس کے کلام کے اترنے کا دعویٰ کیا ہے؟ حضرت رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ہاں۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ نے کہا آپؐ گواہ رہیں مَیں آپؐ کی اس بات کو تسلیم کرتا ہوں۔ پھر حضرت ابو بکرؓ نے کہا کیا آپؐ میرے ایمان کو دلیلوں سے ضائع کرنا چاہتے تھے۔ جب مَیں نے دیکھا ہؤا ہے کہ آپؐ ہمیشہ سچ بولتے ہیں تو مجھے کسی دلیل کی ضرورت نہ تھی۔ دلیلیں کافروں کو سنائیں کہ فرشتے ایسے ہوتے ہیں، اس طرح آتے ہیں۔ اصل سوال تو یہی تھا کہ کیا آپؐ نے یہ بات کہی ہے۔ جب آپؐ نے اقرار کیا تو ہم نے آپؐ کی بات مان لی۔[2] حضرت ابو بکرؓ کا ایمان حضرت رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی سچائی کا نتیجہ تھا۔ اگر حضرت ابو بکرؓ نے آپؐ کی سچائی کا اعلیٰ نمونہ نہ دیکھا ہوتا تو ان کو یقین کس طرح پیدا ہوتا۔

اسی واقعہ کی طرف رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک دوسرے موقع پر اشارہ فرمایا ہے۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ کی حضرت ابو بکرؓ سے تکرار ہو گئی۔ حضرت عمرؓ جوشیلے آدمی تھے۔ آپ نے ابو بکرؓ سے کچھ سختی کی۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ نے وہاں سے ٹلنا چاہا۔ حضرت عمرؓ نے سمجھا کہ یہ درمیان میں بات چھوڑ کر جانا چاہتے ہیں۔ گو حضرت ابو بکرؓ کا مطلب ان کا جوش ٹھنڈا کرنے کا تھا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہاں جاتے ہو اور آگے بڑھ کر آپ کا کپڑا پکڑ لیا۔ کپڑا پھٹ گیا مگر آپ چلتے گئے کہ عمرؓ غصہ کی حالت میں ہے۔ اب ان سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ حضرت عمرؓ نے سمجھا یہ میری شکایت کرنے حضرت رسول کریم ﷺ کے پاس گئے ہیں اور ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہؤا کہ غلطی تو میری ہی ہے۔ رسول کریم ﷺ ناراض ہوں گے۔ میں بھی چلتا ہوں۔ حضرت عمر وہاں پہنچے تو حضرت ابو بکرؓ کو وہاں نہ پایا۔ انہوں نے سمجھا شکایت کر کے واپس چلے گئے ہوں گے۔ آپ نے حضرت رسول کریمؐ کے پاس جا کر عرض کیا یا رسول اللہ! میری غلطی تھی ابو بکرؓ کا قصور نہ تھا بلکہ میرا تھا۔ جب وہ اپنے قصور کا اقرار کر رہے تھے تو اس وقت کسی نے دوڑ کر حضرت ابو بکرؓ کو بتا دیا کہ حضرت عمرؓ گئے ہیں۔ شاید یہ واقعہ بیان کریں گے اور آپ کی شکایت کریں۔ جس سے آپ کو بدظنی پیدا ہو۔ یہ سن کر حضرت ابو بکرؓ بھی چل پڑے۔ حضرت عمر وہاں سے اس خیال سے چلے تھے کہ رسول کریم ﷺ کو حضرت ابو بکرؓ کی بات سن کر تکلیف نہ پہنچے مَیں براءت کر آؤں۔ جب حضرت ابو بکرؓ مجلس میں پہنچے تو دیکھا کہ گو شبہ یہ کیا گیا تھا کہ عمرؓ حضرت ابو بکرؓ کی شکایت کرنے گئے ہیں مگر وہ اس کی بجائے اپنے قصور کا اقرار کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ یا رسول اللہ! غلطی میری تھی۔ مجھ سے ابو بکرؓ کے حق میں سختی ہو گئی ہے۔ میں معافی چاہتا ہوں۔ یہ بات سنتے ہی رسول کریم ﷺ کا چہرہ متغیر ہو گیا اور آپؐ نے فرمایا: اے لوگو! تم مجھے اور ابو بکرؓ کو کیوں نہیں چھوڑتے۔ جب تم لوگ انکار کرتے تھے یہ شخص آگے آیا اور کہا مَیں ایمان لایا۔ مَیں نے اس میں کبھی کجی اور انکار کا مادہ نہیں دیکھا۔3

لوگ اختلافِ رائے رکھتے ہیں کہ پہلے ایمان لانے والا کون تھا۔ حضرت خدیجہؓ بے شک پہلے ایمان لائیں آخر وہ رسول کریم ﷺ کی بیوی تھیں۔ خاوند کا بیوی پر اثر بھی ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ بے شک ایمان لائے مگر وہ بچہ تھے، آپؐ کے بھتیجے تھے، آپؐ کے گھر میں

رہتے تھے۔ اس کا بھی اثر ہوتا ہے۔ زیدؓ بھی پہلے ایمان لا چکے تھے جبکہ حضرت ابو بکرؓ باہر ہی تھے مگر زیدؓ غلام تھا، آپؐ کے گھر میں رہتا۔ غلام کھانے اور کپڑے کا محتاج ہوتا ہے ان کا ایمان محتاجوں والا ایمان تھا۔ حضرت خدیجہؓ کا ایمان بیوی ہونے کی وجہ سے، حضرت علیؓ کا بچے اور بھتیجا ہونے کے سبب اور زیدؓ کا نوکر ہونے کی حیثیت سے وہ درجہ نہیں رکھتا جیسا کہ حضرت ابو بکرؓ کا۔ کیونکہ جس شخص کا آزادی کا ایمان تھا، نہ کسی دنیاوی احسان کے سبب تھا اور نہ کسی چیز کی احتیاج تھی، وہ ابو بکرؓ ہی تھا۔ علماء میں بحث ہوتی ہے کہ ابو بکرؓ پہلا مومن تھا؟ کوئی کہتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ پہلے ایمان لائی تھیں۔ کوئی کہتا ہے کہ حضرت علیؓ ایمان لائے تھے مگر سچی بات یہی ہے کہ حضرت خدیجہؓ بیوی تھیں، حضرت علیؓ بچہ تھے، زیدؓ غلام تھا اور جب رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دعویٰ کیا حضرت ابو بکرؓ گھر نہ تھے۔ دوسرے تیسرے دن آئے۔ اس لئے جوان، بالغ مَردوں میں سے پہلا ایمان لانے والا ابو بکرؓ ہی تھا۔ عورتوں سے حضرت خدیجہؓ، بچوں سے حضرت علیؓ، نوکروں میں سے زیدؓ۔ مگر اس لحاظ سے کہ جس پر کوئی حکومت نہ تھی، کوئی دبدبہ نہ تھا اور نہ کوئی احسان وغیرہ تھا وہ ابو بکرؓ ہی تھے جو سب سے پہلے ایمان لائے۔ اسی لئے آپؐ نے فرمایا کہ اے لوگو! مجھے اور ابو بکرؓ کو کیوں نہیں چھوڑتے۔ جب تم سب لوگ مجھے جھوٹا کہتے تھے جس نے کہا مَیں ایمان لایا وہ ابو بکر ہی تھا۔ پھر ابو بکرؓ کا تقویٰ دیکھو۔ یہ خیال کر کے کہ حضرت رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم حضرت عمرؓ پر ناراض نہ ہوں اپنے بھائی کی سب غلطی بھول گئے اور اس کے غم کو اپنا غم سمجھتے ہوئے فوراً رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سامنے دو زانو ہو گئے اور عرض کیا نہیں یا رسول اللہ! غلطی میری تھی عمرؓ کا قصور نہ تھا۔

غرض جیسا کہ مَیں نے اوپر بتایا ہے کہ سچائی میں فائدہ ہوتا ہے۔ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو سچائی کا یہ فائدہ پہنچا کہ ابو بکرؓ جیسا انسان سچائی کی وجہ سے آپؐ کو ملا۔ پہلا شکار آپؐ کی تعلیم کا جو نشانات دیکھنے کی وجہ سے نہیں، دلیلوں کی وجہ سے نہیں بلکہ صرف اس بات سے ہؤا تھا کہ انہوں نے حضرت رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو دیکھا ہؤا تھا کہ آپؐ جھوٹ نہیں بولتے۔ اَور باتوں کو جانے دو یہی دیکھو کہ سچائی کی وجہ سے آپؐ کو ایسا سچا دوست مل گیا کہ پھر کبھی کوئی ایسا موقع نہیں آیا کہ قربانی کا موقع ہو اور ابو بکرؓ پیچھے رہے ہوں۔ ہر موقع پر آپؓ نے اپنے آپ کو آگے ڈالا۔

یہ ثمر تھا، پھل تھا حضرت رسول کریم صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی سچائی کا۔

اسی طرح دیانت ہے، امانت ہے۔ ان میں اگر انسان ثابت قدمی دکھاتا ہے تو اس لئے کہ وہ سمجھتا ہے کہ مجھے فائدہ پہنچے گا، تعلقات درست ہو جائیں گے۔ پھر کچھ نیکیاں انسان ضرر سے بچنے کے لئے کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اگر جھوٹ بولوں گا تو لوگ میری مانیں گے نہیں۔ مگر مَیں دیکھتا ہوں کہ پھر بھی بعض لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ جھوٹ کی وجہ سے رحم کا جذبہ کمزور ہو جاتا ہے۔ مثلاً دیکھو جب کوئی سنتا ہے کہ فلاں کو فاقہ ہے تو دل چاہتا ہے کہ قربانی کرے۔ مگر پھر شبہ پڑتا ہے نہ معلوم سچ کہتا ہے یا جھوٹا ہے۔ جھوٹ ایک بولتا ہے تکلیف دوسرا اٹھاتا ہے۔ اگر لوگ جھوٹ نہ بولتے تو مصیبت کیوں ہوتی۔ لوگ بھوکے نہ مرتے۔ جھوٹوں نے ڈرا دیا ہے۔ اس لئے جب کوئی اپنی مصیبت بیان کرتا ہے تو سننے والا خیال کرتا ہے شاید یہ بھی جھوٹ بولنے والوں میں سے نہ ہو۔ اسے ہمدردی بھی ہوتی ہے، چیز بھی پاس موجود ہوتی ہے مگر شک پڑ جاتا ہے اور قربانی نہیں کرتا۔

پھر بعض لوگ اس لئے بُرائی سے بچتے ہیں کہ نقصان ہو گا اور اللہ ناراض ہو گا۔ تو دنیا میں یہ نظارے جو نظر آتے ہیں بتاتے ہیں کہ لوگ بدیوں سے بچنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ ابوبکرؓ کو سچائی کا پورا علم تھا، وہ ایمان لے آیا اور ہر موقع پر قربانی کا اعلیٰ نمونہ دکھایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ وَ اَنْتُمْ تُتْلٰی عَلَیْکُمْ اٰیٰتُ اللّٰہِ وَ فِیْکُمْ رَسُوْلُہٗ۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم نافرمانی میں مبتلا ہو۔ حالانکہ اللہ کے نشانات دیکھتے ہو۔ پھر بھی نافرمانی کرتے ہو۔ تمہیں ہو کیا گیا ہے۔ جس کو پتہ لگ جاتا ہے کہ یہ سچائی ہے وہ تو کوتاہی نہیں کرتا نیکی کو اختیار کر لیتا ہے اور بُرائی سے بچتا ہے۔ مگر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ باوجود نشانات دیکھنے کے اور پتہ لگ جانے کے کہ فلاں بات سے یہ یہ نقصان ہوتا ہے پھر بھی انہیں نہیں چھوڑتے۔

دوسری سستی کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ کوئی نگران نہ ہو۔ مگر تم میں تو اللہ کا رسول موجود ہے جو اللہ کے نشان دکھاتا ہے اور اچھی اور بُری باتوں کی تمیز سکھاتا ہے۔ پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ نافرمانی کرتے ہو۔ جب کوئی نگران نہ ہو تو لوگ سستی کر جاتے ہیں۔ مثلاً لوگ شہر میں چلتے پھرتے ہیں۔ نالیوں میں کوچوں میں گند بھی ہوتا ہے مگر اس کی طرف کوئی توجہ

نہیں کرتا۔ یا سپاہی کی وردی صاف نہیں یا افسر وقت پر کام پر حاضر نہیں ہوتے۔ لیکن اگر پتہ لگ جائے کہ گورنر صاحب دَورہ پر آنے والے ہیں تو سپاہی فوراً اپنی وردیاں ٹھیک کرنے لگ جائیں گے۔ شہر کی صفائی بھی ہونے لگ جائے گی کہ گورنر صاحب آرہے ہیں۔ غرض دوسری چیز سستی کو روکنے والی یہ ہوتی ہے کہ نگران ہو۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَفِیْکُمْ رَسُوْلُہٗ تم میں تو اللہ کا رسول موجود ہے۔ جہاں تمہارے علم کا سوال تھا وہ مہیا کر دیا، پھر نگرانی کا طریق مقرر کر دیا۔ تم پراگندہ قوم نہیں ہو خدا نے نگران مقرر کر دیا ہے۔ پھر کیوں ایسا کرتے ہو۔ یہ حیرت انگیز چیز ہے۔ مثلاً دیکھو بچہ کھیل رہا ہو، بالکل چھوٹا نہیں آٹھ، دس سال کا ہو۔ اس کو یہ بھی علم ہو کہ ایک پُڑیا میں زہر ہے اور اس کے کھانے سے آدمی مر جاتا ہے۔ پیاس بہت لگتی ہے، خون کے دست آتے ہیں، سخت درد پیٹ میں ہوتا ہے تو وہ اسے نہیں کھاتا۔ اور اگر اسے کوئی روکنے والا موجود ہو تو اور بھی محتاط ہو جاتا ہے۔ لیکن ان دونوں باتوں کے باوجود اگر کوئی بچہ زہر کھا جائے تو کتنے تعجب کی بات ہے لوگ اس بچہ کو یہی سمجھیں گے کہ پاگل ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ یہ بات سمجھ سے باہر ہے کہ تم علم اور نگران کے ہوتے ہوئے نافرمانی کرتے ہو۔ جب تم خود یہ کہتے ہو کہ وہ بچہ جس کو علم تھا کہ یہ زہر ہے اور جسے روکا بھی گیا تھا وہ زہر کھا گیا تو معلوم ہوُا اس کا دماغ خراب تھا۔ تو اپنے بارہ میں کیوں غور نہیں کرتے۔ بچہ تو کمزور تھا مگر تمہاری یہ کیفیت ہے کہ اس سے بڑھ کر فعل کرتے ہو اور اپنے آپ کو پاگل نہیں سمجھتے۔

جو مثال صحابہؓ کی تھی وہی آج ہماری ہے۔ قرآن کریم بے شک رسول کریم ﷺ پر نازل ہوُا مگر آج بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو قرآن کریم کے معنی کئے ہیں ان کی وجہ سے ہمارے لئے وہ ایسا ہی ہے جیسے آج دوبارہ نازل ہوُا ہے۔ ہم میں وہی روح پیدا ہونی چاہیئے۔ پھر ہم میں خدا کا رسول بھی موجود ہے۔ گو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فوت ہو گئے ہیں مگر کوئی سال نہیں گزرتا کہ ہم آپ کے الہامات اور پیشگوئیاں پوری ہوتی نہ دیکھیں۔ پھر انتظامِ خلافت بھی ہے، مرکز ہے، جواب طلبی بھی کرتا ہے، نگرانی کی جاتی ہے، مگر مَیں دیکھتا ہوں کہ بعض لوگ خدا تعالیٰ کے عہدوں کو توڑتے ہیں اور پھر احمدی بھی

کہلاتے ہیں۔ کَیۡفَ تَکۡفُرُوۡنَ وَ اَنۡتُمۡ تُتۡلٰی عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتُ اللّٰہِ۔ اللہ تعالیٰ کے نشان دیکھ کر پھر کس طرح نافرمانی کرتے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ اس انکار کی حقیقت کو جانتا ہے مگر پھر تعجب کا اظہار کرتا ہے کہ یہ بات عقل میں نہیں آتی کہ نگران کھڑا ہے، روک رہا ہے، ہاتھ پکڑ رہا ہے پھر بھی لوگ نافرمانی کرتے رہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ انسان اگر غور کرے تو اسے معلوم ہو گا کہ یہ اس کا فعل عقل کے خلاف ہے۔

یہ آیت جس طرح صحابہ پر چسپاں ہوتی ہے، دوسری صدی، تیسری صدی یا اور کسی صدی کے لوگوں پر چسپاں نہیں ہوتی۔ صرف ہم پر ہی چسپاں ہوتی ہے۔ کیونکہ ہم میں اللہ کا رسول آیا مگر باوجود نشانات دیکھنے کے ہم میں بعض احمدی ایسے ہیں کہ سچ بولتے وقت کمزوری دکھاتے ہیں۔ انصاف نہیں کرتے، عدل نہیں کرتے، ہمدردی نہیں کرتے۔ سمجھ نہیں آتی کہ باوجود نشانات دیکھنے اور سمجھ لینے اور باوجود نگرانی کے وہ کیوں ایسا کرتے ہیں۔"

(الفضل 17 مارچ 1943ء)

1: آل عمران:102

2: السیرۃ الحلبیۃ جلد 1 صفحہ 309,308 مطبوعہ مصر 1932ء

3: بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب قول النبی ﷺ لو کنت متخذا خلیلا۔۔۔